

## حق عقد کی حیثیت کا فقہی جائزہ

THE STATUS OF THE CONTRACT RIGHT AND JURISPRUDENTIAL REVIEW

ڈاکٹر حافظ ناصر علی\*

### Abstract:

Muslim scholars evaluate the argument of rights in a legal perspective. They emphasize on the importance of human rights and explain how to address of the most important contemporary issues in the light of Islamic jurisprudence. Islam makes the people responsible for their action and all of them have equal human rights irrespective of their religion, race or gender. All adults or sane persons have the right to make any social or financial contracts for his well-being. Only the the minor or those who do not have ability to take their responsibility are exempted from this responsibility as they are not able to fulfill the requirements of the contract. This article introduce briefly the concept of right, human rights and then the right of contract and its various forms in the light of Islamic jurisprudence.

**Keywords:** Exclusive Rights, Right of Contract, Islamic jurisprudence, Human Rights

### حقوق عقد کا تعارف

انسانی حقوق عصر حاضر کا اہم ترین موضوع ہے۔ اسی لیے موجودہ دور میں اس کو انسانی تہذیب کی جانچ کا پیمانہ قرار دیا گیا ہے۔ لیکن اسلام دنیا کا وہ واحد دین ہے جس کے لیے انسانی حقوق کا تصور کوئی نئی بات نہیں ہے کیونکہ اسلامی نظام حیات انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں میں رہنمائی فراہم کرتا ہے اور ان تمام معاملات میں آسانی اور سہولت کے مقصد کو پیش نظر رکھتا ہے۔ حقوق کی بہت سے اقسام ہیں جن میں حقوق مجردہ بھی شامل ہیں۔ ان حقوق سے مراد وہ حقوق ہیں جو ملک سے خالی اور تنہا ہوں اور ان کا محل کے ساتھ قرار والا تعلق نہ ہو۔ انہی کا ایک حصہ حقوق عقد بھی ہیں۔ یعنی وہ حقوق جو عقد اور معاملہ سے حاصل ہوں، انہیں حقوق عقد کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس کے تحت حق کی دو قسمیں ہیں۔ حق الوضائف "ملازمت کا حق" اور حق الخلو "پگڑی کا حق"۔

ان دونوں کو حقوق عقد کے ساتھ اس لئے تعبیر کیا جاتا ہے کہ ان میں عقد کے معنی پائے جاتے ہیں مثال کے طور پر اوقاف کی تنخواہ میں امام، مؤذن و خطیب اور دیگر انتظامیہ وغیرہ کو حق ہوتا ہے کہ وہ حکومت یا اوقاف کے نگران و ناظم کے ساتھ عقد اجارہ کو باقی رکھیں یعنی تنخواہ لیتے رہیں یا عقد اجارہ ختم کر کے تنخواہ لینا

\*وزنگ لیکچرر یونیورسٹی آف سرگودھا، سب کیمپس بھکر

چھوڑ دیں، اسے حق الوظائف کہا جاتا ہے۔ اسی طرح حق خلو سے مراد ہے کہ مالک مکان یا دکان کچھ رقم لے کر مکان یا دکان مخصوص مدت کیلئے کرایہ پر خالی کروالیتے ہیں اب اس کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ اس عقد کو باقی رکھیں یا عقد ختم کر دیں۔

### (1) حق الوظائف "ملازمت کا حق"

اگر کسی آدمی کی اوقاف میں کوئی مستقل ملازمت ہو جس کی اسے تنخواہ ملتی ہو [مثلاً مسجد کا امام، مؤذن یا کوئی ملازم ہو] اور شرائط اوقاف کی بنیاد پر یہ ملازمت دائمی ہو تو وہ ملازم اس ملازمت پر باقی رہنے کا اور زندگی بھر عقد جاری رکھنے کے حق کا مالک ہے، یعنی کہ ملازمت کو برقرار رکھنے یا اس سے مستعفی ہو جانے کے حق کا نام حق الوظائف ہے۔<sup>1</sup>

### حق الوظائف کا معاوضہ

تنخواہ دار ملازم کیلئے کیا یہ جائز ہے کہ وہ اپنے اس حق سے دوسرے کیلئے دستبردار ہو جائے کہ میری یہ ملازمت فلاں میرے تعلق دار کو دیدی جائے؟ اور دستبرداری کی صورت میں وہ اس کا عوض لے سکتا ہے یا نہیں؟ اگر دستبرداری جائز ہے تو کیا ناظم اور نگران کا اقرار کرنا شرط ہے یا نہیں کہ وہ اس کے دستبردار ہونے کی صورت میں دوسرے آدمی کو ملازمت دے گا؟

### پہلا مسئلہ: بغیر معاوضہ کے دوسرے کے حق میں ملازمت سے دستبرداری

اسکے جواز و عدم جواز کے بارے میں دو اقوال ہیں:

**قول اول:** احناف، شوافع اور حنابلہ کا موقف یہ ہے کہ آدمی دوسرے کے حق میں بغیر عوض کے دستبردار ہونا چاہے تو اس کو اختیار ہے، لیکن اس کیلئے چند شرائط ہیں:

(1) ناظم یا نگران کی لگائی گئی شرائط میں رعایت

(2) واقف نگران کو اجازت کا اختیار دے

(3) فرد ثانی، جس کے حق میں دست بردار ہونا ہے، اس کو ملازم بنانے کا اختیار ہو

**قول دوم:** مالکیہ کا موقف یہ ہے کہ ملازم آدمی کا دوسرے کیلئے اپنے حق سے دستبردار ہونا صحیح

نہیں ہے ان کی دلیل یہ ہے

”ملازمت کا حق حقوق انتفاع میں سے ہے اور حقوق انتفاع کا مستحق اس سے نفع اٹھا سکتا

ہے لیکن اس میں تصرف نہیں کر سکتا۔“<sup>2</sup>

### دوسرا مسئلہ: معاوضہ کے ساتھ دوسرے کے حق میں ملازمت سے دستبردار ہونا

جو حضرات بغیر معاوضہ کے ملازمت سے دستبردار ہونے کے جواز کے قائل ہیں وہ اس مسئلہ میں دو

قول رکھتے ہیں۔

قول اول :- ” معاوضہ کے ساتھ ملازمت سے دستبردار ہونا جائز ہے یہ قول متاخرین حنفیہ، رملی اور سبکی کے فتویٰ کی اتباع میں متاخرین شافعیہ کا مسلک بھی یہی ہے اور بعض حنابلہ کا قول بھی یہی ہے۔“<sup>3</sup>

اس ضمن میں علامہ غانم بن محمد حنفی یوں تحریر کرتے ہیں کہ:

”وَفِيهَا أَقْوَلٌ عَلَىٰ اعْتِبَارِ الْعُرْفِ الْخَاصِّ فَذَا تَعَارَفَتِ الْفُقَهَاءُ بِالْقَابِرَةِ  
النُّزُولِ عَنِ الْوُظَائِفِ بِمَالٍ يُعْطَىٰ لِصَاحِبِهَا، وَتَعَارَفُوا ذَلِكَ فَيَنْبَغِي  
الْحَوَازُ، وَأَنَّ لَوْ نَزَلَ لَهُ وَقَبِضَ مِنْهُ الْمُبْلَغُ، ثُمَّ أَرَادَ الرُّجُوعَ عَلَيْهِ لَا  
يَمْلِكُ ذَلِكَ“<sup>4</sup>

(اور میں اس بارے میں کہتا ہوں کہ یہ عرف خاص کے اعتبار کرنے کی وجہ سے جائز ہے،  
قاہرہ میں فقہاء 5 کا عرف ہے کہ وہ ملازمتوں سے مال کے بدلہ میں دستبردار ہو جاتے ہیں اور  
یہ چیز ان کے ہاں رائج ہے اس لیے مناسب یہ ہے کہ جائز ہو اسی طرح اگر کوئی آدمی  
دوسرے کیلئے ملازمت سے دستبردار ہو جائے اور اس سے وہ مال کی خاص مقدار وصول  
کر لے پھر بعد میں وہ اس سے مال واپس لینا چاہے تو وہ اس کا مالک نہیں ہے۔)

متاخرین فقہاء شافعیہ نے بھی مال کے بدلہ میں وظائف سے دستبرداری کے جواز کا فتویٰ دیا ہے

چنانچہ علامہ رملی لکھتے ہیں کہ:

”وَأَقْنَىٰ الْوَالِدُ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَىٰ بَجَلِّ النَّزُولِ عَنِ الْوُظَائِفِ بِالْمَالِ أَىٰ لِأَنَّهُ  
مِنْ أَقْسَامِ الْجَعَالَةِ فَيَسْتَحِقُّهُ النَّازِلُ وَيَسْقُطُ حَقُّهُ“<sup>6</sup>

(والد رحمہ اللہ نے مال کے بدلے میں وظائف سے دستبرداری کے جواز کا فتویٰ دیا تھا کیونکہ  
یہ بھی جعالہ کی ایک قسم ہے لہذا دستبردار ہونے والا شخص مال کا مستحق ہوگا اور اس کا حق  
ساقط ہو جائے گا۔)

علامہ شبر الملی نے بھی اپنے حاشیہ میں اسے تسلیم کیا ہے بلکہ انہوں نے مال کے بدلہ میں جوامک سے

دستبردار ہونے کا جواز بھی اسی پر یوں متفرع کیا ہے۔

”جوامک جا مکیہ کی جمع ہے جا مکیہ متعین رقم ہے جو کسی شخص کو بیت المال سے بطور عطیہ ملا  
کرتی ہے احناف کے ہاں اس کی بیع جائز نہیں ہے کیونکہ یہ ایسے شخص کے ہاتھ دین کی بیع  
ہے جس کے ذمہ وہ دین لازم نہیں ہے“<sup>7</sup>

اس طرح وہ محررین جو بادشاہ کی طرف سے مقرر کیے جاتے ہیں وہ لوگ سلطان کی طرف سے نیابتاً

تصرف کرتے ہیں جیسا مصالح کا تقاضا ہوتا ہے اور بادشاہ کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ انہیں ملازمت میں باقی رکھے یا  
بلا وجہ بھی معزول کر سکتا ہے لہذا محرروں کو اس چیز پر حقیقی قبضہ و تصرف حاصل نہیں ہے جس سے وہ دستبردار  
ہو رہے ہیں بلکہ جب بھی وہ اپنے کو معزول کر لیں تو معزول ہو جائیں گے اور جب ان لوگوں نے کسی دوسرے

کیلئے اپنا حق ختم کر لیا اب دوبارہ معاہدہ کے بغیر انھیں دوبارہ نیا حق حاصل نہیں ہوگا اور ان کیلئے دستبرداری پر عوض لینا جائز نہیں ہے۔

ڈاکٹر مفتی عبدالواحد تحریر کرتے ہیں:

”حق و وظیفہ یعنی اوقاف میں موت تک کی ملازمت مثلاً مسجد کے امام یا موزن وغیرہ کو اس ملازمت پر باقی رہنے کا اور زندگی بھر عقد اجارہ باقی رکھنے کا حق۔ اس حق کی بیع اگرچہ جائز نہیں لیکن مال کے بدلے میں اس سے دستبرداری جائز ہے۔“<sup>8</sup>

قول دوم :- ”ملازمت سے دستبرداری کا عوض لینا جائز نہیں ہے متقدمین احناف کا یہی مسلک ہے

اور زکشی نے بھی یہی ذکر کیا ہے اور مالکیہ بھی اسی کے قائل ہیں۔“<sup>9</sup>

اس ضمن میں البحر الرائق میں یوں ہے کہ :

”مذکورہ مکتبہ ہائے فکر کی دلیل یہ ہے کہ ”حق ملازمت حقوق مجردہ میں سے ہے اور حقوق

مجردہ کا عوض لینا جائز نہیں ہے۔“<sup>10</sup>

چنانچہ اس کے مشابہ حقوق جیسے حق شفعہ اور حق تحجیر ان کا عوض لینا جائز نہیں تو اس کا عوض لینا بھی جائز نہیں ہے۔ شفعہ کیلئے حق شفعہ کا ثبوت اور بیوی کیلئے باری کا حق اسی طرح نکاح میں مخیرہ کیلئے حق خیار یہ سب حقوق شفعہ اور عورت سے ضرر کو دفع کرنے کیلئے ہیں اور جو حق اس دفع ضرر کیلئے ثابت ہو اس سے صلح صحیح نہیں ہوتی کیونکہ صاحب حق جب راضی ہے تو معلوم ہو گیا کہ اس کی وجہ سے اس کو ضرر نہیں ہے پس وہ کسی چیز کا مستحق نہیں ہے لیکن اس آدمی کا حق جس کیلئے خدمت کی وصیت کی گئی ہے وہ ایسا نہیں ہے بلکہ اس کیلئے یہ حق بطور نیکی اور صلہ رحمی کے ثابت ہے پس اس کا یہ حق اصلہ ثابت ہے لہذا اس سے اس وقت صلح کرنا جب وہ دوسرے کے حق میں دستبردار ہو جائے صحیح ہے۔ اسی جیسے اور حقوق ہیں جن کا تذکرہ الاشباہ والنظائر میں موجود ہے یعنی حق قصاص، حق نکاح حق رقی، اور ان سب کا عوض لینا درست ہے۔

اس بحث سے ایک اور ضابطہ بھی معلوم ہو گیا کہ کن حقوق کا عوض لینا جائز ہے اور کن کا عوض لینا جائز نہیں ہے چنانچہ اگر حقوق اصلہ مشروع اور ثابت ہوں ان کا عوض لینا جائز ہے اور جو دفع ضرر کیلئے ثابت ہوں ان کا عوض لینا جائز نہیں ہے خواہ یہ حقوق مجردہ ہوں یا نہ ہوں۔

مجوزہ تحقیق کا مقصد اولین چونکہ حقوق مجردہ کی ایک قسم حق الخلو ہے۔ اس لیے حق الوظائف کا ضمناً تعارف کروانے کے بعد عصری ضرورت و اہمیت کے پیش نظر حق الخلو کی وضاحت کی گئی ہے۔

## (2) حق الخلو "مکانوں اور دکانوں کی پگڑی کا حق"

### خلو کے لغوی معنی

خلو: خلواً کا معنی ہے خالی ہونا اور اعلیٰ بکلی باب افعال سے ہو تو اس کا معنی ہے خالی کرنا یا خالی پانا ہے۔

چنانچہ ابن سیدہ لکھتے ہیں کہ:

”خَلَا الْمَكَانَ خُلُوًّا وَخَلَاءً - إِذَا لَمْ يَكُنْ فِيهِ أَحَدٌ أَبُو زَيْدٍ: أَخْلَيْتُ الْمَكَانَ  
جَعَلْتُهُ خَالِيًا ابْنَ السَّكَيْتِ: أَخْلَيْتُهُ - وَجَدْتُهُ خَالِيًا“<sup>11</sup>

(خلا المکان کا معنی ہے کہ مکان میں کوئی نہیں ہے ابو زید کہتے ہیں کہ اخلیت المکان کا معنی ہے  
میں مکان کو خالی کر دیا ابن السکیت کہتے ہیں کہ اخلیتہ کا معنی ہے کہ میں نے اس کو خالی پایا  
(-

گو یا لفظ خلو جن معانی کے ساتھ یہاں زیر بحث ہے اس لحاظ سے یہ لفظ مولد ہے یعنی یہ عرب کے  
مذکورہ قول (اخلیت المکان میں نے مکان کو خالی کیا یا خالی پایا) سے ہی ماخوذ ہے۔

### خلو کے اصطلاحی معنی

اصطلاح میں خلو سے مراد مالک کا وہ اختیار منفعہ ہے جو اسے کسی دکان، مکان، گودام یا زمین (غیر  
سکنی) کے عوض حاصل ہوتا ہے۔ یہ منفعہ دراہم، خدمت یا پیشگی رقم کے ساتھ ساتھ ماہانہ ادائیگی کی صورت  
میں بھی ہو سکتی ہے۔  
اس ضمن میں علامہ دسوقی لکھتے ہیں کہ:

”وَالْخُلُوُّ اسْمٌ لِمَا يَمْلِكُهُ دَافِعُ الدَّرَاهِمِ مِنَ الْمَنْفَعَةِ الَّتِي وَقَعَتْ الدَّرَاهِمُ فِي  
مُقَابَلَتِهَا“<sup>12</sup>

(اس منفعہ کو حق خلو کہتے ہیں جس کا دراہم دینے والا مالک ہوتا ہے اور وہ منفعہ ان دراہم  
کے مقابلہ میں ہوتی ہے۔)

دکانوں میں معروف خلو یعنی پگڑی کی صورت یہ ہے کہ واقف اپنی ملکیت پر دراہم کی ایک متعین  
شرعی مقدار جو کرایہ دار سے لے گا اس کے بعد وہ دکان کا مالک نہ تو اس کرایہ دار کو جس کیلئے حق خلو ثابت ہے  
نہ نکال سکتا ہے اور نہ ہی کسی دوسرے کو وہ دکان کرایہ پر دے سکتا ہے جب تک کہ وہ پیشگی ادا شدہ رقم واپس نہ  
کردے۔

بہر حال اس بحث کا ماحصل یہ ہے کہ حق خلو زمین میں مستقل ٹھہرنے کے حق کی ملکیت کو کہتے ہیں  
خواہ وہ زمین، دکان، مکان، قابل کاشت زمین ہو یا خالی پلاٹ وغیرہ۔  
اس ضمن میں مولانا تقی عثمانی تحریر کرتے ہیں کہ:

”پگڑی کسی مکان یا دکان میں حق قرار کا نام ہے بسا اوقات مالک مکان یا مالک دکان اپنا مکان  
یا دکان طویل مدت کیلئے کرایہ پر دیتا ہے اور کرایہ کے علاوہ کچھ رقم یک مشت لیتا ہے کرایہ  
دار یکمشت رقم دے کر اس بات کا حق دار ہو جاتا ہے کہ کرایہ داری طویل مدت تک یا  
تاحیات باقی رکھے پھر بسا اوقات کرایہ دار اپنا یہ حق دوسرے کرایہ دار کی طرف منتقل کر دیتا  
ہے اور اس سے یہ رقم لیتا ہے جس کی بناء پر یہ دوسرا شخص مالک مکان و دکان سے عقد اجارہ کا

حقدار ہو جاتا ہے اگر مکان یا دکان کا مالک کرایہ دار سے مکان یا دکان واپس لینا چاہے تو اس کے ذمہ لازم ہوتا ہے کہ کرایہ دار کو اتنی رقم ادا کرے جس پر دونوں راضی ہوں اس یک مشت لیے جانے والی رقم کو مختلف بلاد عربیہ میں خلو اور جلسہ کہا جاتا ہے اور ہندو پاک میں پگڑی اور سلامی کہتے ہیں۔<sup>13</sup>

گویا مفتی تقی عثمانی کی رائے سے حق خلو کی مختلف اقسام کی نشان دہی ہوتی ہے، جو کہ درج ذیل ہیں۔

### حق خلو کی اقسام

حق خلو کی چار اقسام ہیں:

1. خلو الحوانیت (دکانوں کی پگڑی)
2. خلو الجلسۃ (گوداموں کی پگڑی)
3. خلو النصبۃ (ٹاوروں وغیرہ کی پگڑی)
4. الانزال (قابل کاشت زمین کی پگڑی)

### (1) خلو الحوانیت (دکانوں کی پگڑی)

جب کوئی آدمی دکان کرایہ پر لیتا ہے تو کچھ رقم مالک دکان کو پیشگی جمع کرواتا ہے اور ماہانہ یا سالانہ جو کرایہ طے ہوتا ہے اس کے ادا کرنے کا بھی التزام کرتا ہے۔ اس طرح قبل از وقت رقم دینے سے چند امور طے ہوتے ہیں:

(الف) کرایہ دار متعین مدت یا ہمیشہ کیلئے اس دکان میں رہنے کا مالک ہے لہذا مالک دکان نہ اس کو نکال سکتا ہے اور نہ ہی وہ دکان کسی دوسرے کو کرایہ پر دے سکتا ہے۔

(ب) دکان تو مالک کی رہتی ہے اور وہ صرف ماہانہ یا سالانہ کرایہ لینے کا حق دار ہے اور کرایہ دار اس دکان سے مختلف قسم کے تصرفات کر سکتا ہے یعنی وہاں خود خرید و فروخت کرے، ملازمین کھڑے کرے، کسی کو بطور ہبہ کے دکان کا نفع حوالے کرے وغیرہ۔<sup>14</sup>

### (2) خلو الجلسۃ (گوداموں کی پگڑی)

خلو کی اس قسم کا تعلق ان بڑی دکانوں سے ہے جن کو بطور گودام استعمال کیا جاسکتا ہو اس میں کرایہ دار اپنی مشینیں، کباز، تجارت کا سامان رکھتا ہے۔ حقیقہً اس کو کدک یا سکنی، جب کہ اہل مغرب اس کو جلسہ کہتے ہیں۔

### (3) خلو النصبۃ (ٹاوروں وغیرہ کی پگڑی)

اس قسم میں کسی سے زمین یا مکان کرایہ پر اس مقصد سے لی جاتی ہے کہ اس کے اندر کرایہ دار ٹاور، فیکٹری یا کوئی مشین نصب کر سکے اور ماہانہ یا سالانہ اس کا کرایہ ادا کرتا رہے۔

#### (4) الانزال (قابل کاشت زمین کی پگڑی)

اس سے مراد یہ ہے کہ کرایہ دار خالی زمین لیتا ہے تاکہ اس میں وہ تعمیر کرے، باغات لگائے، یا کاشت کاری کرے اور ماہانہ یا سالانہ مالک کو کرایہ ادا کرتا رہے، اس کو تینس میں انزال، اہل مغرب میں جزاء اور مصر میں حکر کے نام کے ساتھ موسوم کیا جاتا ہے۔

#### حق خلو کا آغاز و ارتقاء اور پس منظر

اس کی ابتداء، ظہور اور اسباب کے بارے میں متقدمین فقہاء کی عبارات بالخصوص نہیں ملتیں اور اس موضوع پر تحقیق کرنے والوں کے مطابق اس کا امت میں تعامل آٹھویں صدی ہجری میں رونما ہوا جیسے زمین کاشت کاری کیلئے کرایہ پر دی جاتی تھی یعنیہ دوکانیں، مکانات، گودام اور پلاٹ وغیرہ بھی کرایہ پر دیے جانے کا رواج عام ہو گیا۔

اس ضمن میں سامی حبیلی یوں رقم طراز ہیں:

”ان کے ظہور کے مختلف اسباب ہیں کچھ کا تعلق وقف کے ساتھ ہے اور کچھ کا تعلق ملک کے ساتھ ہے۔ فقہاء کے ہاں یہ بات طے ہے کہ وقف شدہ اشیاء کی خرید و فروخت جائز نہیں ہے لیکن وقف شدہ چیزوں کا خراب ہو جانا اور اس کے نفع کے کم ہو جانے کی وجہ سے وقف کے نگران تنگی میں پڑ جاتے تھے لہذا انھوں نے ایسا کرنا شروع کیا کہ اصل وقف شدہ چیز کو فروخت نہ کرتے بلکہ خلو کو بیچ دیتے یعنی بطور دکان، گودام وغیرہ کے کرایہ پر دے دیتے اسی طرح بہت سے مالکین ایسے ہوتے ہیں کہ وہ اپنی زندگی میں دن بھر دوسری مصروفیات میں پھنسے رہتے ہیں اور وہ اپنی زمینوں مکانوں اور دکانوں سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے جس کی وجہ سے ان کی جائیدادوں کے بوسیدہ ہونے کا یا قلت نفع کا خطرہ ہوتا ہے جبکہ کچھ لوگ تجارت کر سکتے ہیں یا زراعت کی قابل ہیں لیکن دکان یا زمین نہیں ہوتی چنانچہ ان دونوں کی اپنی ضروریات کے تحت یہ معاملہ وقوع پذیر ہو جاتا ہے۔“<sup>15</sup>

گویا حق خلو بھی بارٹر (Barter System) کے تحت وجود میں آیا کہ جب کوئی فرد کوئی بھی شے اپنی چیز کے عوض یا خدمت کے صلے میں حاصل کرتا تھا کہ جب معاشرے میں پیسہ (Money) کا کچھ تصور نہ تھا۔ اس طرح حق خلو کی ابتداء اس وقت ہوئی جب حاجت مند کسی دوسرے کی ملکیت سے چند شرائط و معاہدے کے بعد منفعت حاصل کرتا ہے۔ وہ شرائط حق خلو کی مشروعیت کہلاتی ہیں جو درج ذیل ہیں:

#### حق خلو کی مشروعیت

حق خلو (قدیم) کی مشروعیت پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے خواہ اس کا تعلق وقف سے ہو یا ذاتی ملک سے ہو۔ چنانچہ ابن نجیم حنفی یوں تحریر کرتے ہیں:

”وَالْحَاصِلُ أَنَّ الْمَذْهَبَ عَدَمَ اعْتِبَارِ الْعُرْفِ الْخَاصِّ، وَلَكِنْ أَفْتَى كَثِيرٌ مِنْ

الْمَشَايخِ بِاعْتِبَارِهِ؛ فَأَقُولُ عَلَىٰ اعْتِبَارِهِ:----. وَقَدْ وَقَعَ فِي حَوَانِيتِ  
الْحَمْلُونَ بِالْغُورِيَّةِ أَنَّ السُّلْطَانَ الْغُورِيَّ لَمَّا بَنَىٰ أَسْكَنَهَا لِلتُّجَّارِ بِالْخُلُوِّ  
وَجَعَلَ لِكُلِّ حَانُوتٍ قَدْرًا أَخَذَهُ مِنْهُمْ، وَكَتَبَ ذَلِكَ بِمَكْتُوبِ الْوَقْفِ“<sup>16</sup>

(اور حاصل یہ ہے کہ مذہب میں عرف خاص کا اعتبار نہیں ہوتا لیکن اکثر مشائخ نے اس کے  
معتبر ہونے کا فتویٰ دیا ہے اور میں بھی اس کے معتبر ہونے کا قائل ہوں، غوریہ میں حملوں  
کی دکانوں کو سلطان غوری نے جب تعمیر کیا تو تاجروں کو ان میں خلو کے بدلہ میں ٹھہرا دیا  
اور ہر دکان کیلئے ایک متعین مقدار مقرر کر دی جو ان تاجروں سے لے اور اس کو وقف کے  
طریقہ پر رکھا۔)

اس مسئلہ میں مالکیہ کا قول بھی مشہور ہے چنانچہ ابن علیش تحریر کرتے ہیں:

”سُئِلَ نَاصِرُ الدِّينِ اللَّقَانِيُّ مَا نَقُولُ فِي خُلُوِّ الْحَوَانِيتِ الَّذِي صَارَ عُرْفًا  
بَيْنَ النَّاسِ فِي مِصْرَ وَغَيْرِهَا وَتَعَالَتْ النَّاسُ فِيهِ حَتَّىٰ وَصَلَ الْحَانُوتُ فِي  
بَعْضِ الْأَسْوَاقِ أَرْبَعَمِائَةٍ دِينَارٍ ذَبَابًا جَدِيدًا، ---؟ فَأَجَابَ بِقَوْلِهِ نَعَمْ، إِذَا  
مَاتَ وَلَهُ وَارِثٌ، فَإِنَّهُ يَسْتَحِقُّ خُلُوَّ حَانُوتِ مَوْرَثِهِ عَمَلًا بِعُرْفِ النَّاسِ،  
وَإِذَا مَاتَ مِنْ لَّا وَارِثَ لَهُ فَإِنَّهُ يَسْتَحِقُّهُ بَيْتُ الْمَالِ، وَإِذَا مَاتَ وَ عَلَيْهِ ذَيْنٌ  
فَإِنَّهُ يُوقَفُ مِنْهُ“<sup>17</sup>

(ناصر الدین لقانی سے پوچھا گیا آپ دکانوں کی پگڑی کے متعلق کیا کہتے ہیں جو مصر وغیرہ  
میں لوگوں میں مروج ہو چکی ہے اور لوگوں نے اس میں مہنگائی کر رکھی ہے حتیٰ کہ بعض  
بازاروں میں دکان چار سو جدید سونے کے دیناروں تک پہنچ چکی ہے تو کیا جب کوئی شخص مر  
جائے اور اس کا کوئی وارث ہو تو کیا وہ اپنے مورث کی دکان کے خلو (پگڑی) کا وارث ہوگا  
اور کیا جب کوئی مر جائے اور اس کے ذمہ قرض ہو تو کیا وہ قرض اس کی دکان کی پگڑی سے ادا  
کیا جائے گا؟ تو ناصر الدین لقانی نے جواب دیا ہاں جب کوئی مرے گا تو اس کا وارث اپنے  
مورث کی دکان کی پگڑی کا لوگوں کے عرف کے مطابق وارث ہوگا اور اگر اس کا کوئی  
وارث نہیں ہے تو بیت المال اس کا مستحق ہوگا اور اگر وہ مر اور اس پر قرض تھا تو اس کا قرض  
بھی اس سے ادا کیا جائے گا۔)

چنانچہ مذکورہ فقہاء کی آراء سے مستنبط ہوتا ہے کہ اگر دونوں فریق دوسرا عقد کر لیں یا پہلی اجرت  
کی مثل پر عقد کو باقی رکھنے پر رضامند ہو جائیں تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا اور اسی طرح جو لوگ بغیر عقد کے  
گوداموں کو کرایہ داروں کے پاس باقی رکھتے ہیں اور ان سے اقساط میں کرایہ لیتے رہتے ہیں یہ ان کے لیے جائز  
ہے اور اسی طرح بعینہ گھر کو کرایہ دار کے سپرد کرنا پہلے کرایہ کی مثل کے بدلہ میں بغیر کسی عقد لازم کے جائز  
ہے البتہ اس کے جواز میں توقف ہے۔

مذکورہ تمام عبارات سے واضح ہوتا ہے کہ متاخرین احناف مالکیہ شافعیہ اور حنابلہ حق خلو کی مشروعیت  
پر متفق ہیں۔ اس بارے میں مفتی تفتی عثمانی نے تفصیلاً لکھا ہے جس کا مفہوم کچھ یوں ہے:



پگڑی کے بارے میں اصل حکم عدم جواز کا ہے کیونکہ یہ یا تو رشوت ہے یا حق مجرد کا عوض ہے لیکن بعض فقہاء سے منقول ہے کہ انھوں نے اس کے جواز کا فتویٰ بھی دیا ہے سب سے پہلے وہ فقیہ جن کی طرف بدل خلو (پگڑی) کے جواز کی بات منسوب ہے دسویں صدی ہجری کے مالکی فقیہ علامہ ناصر الدین لقانی ہیں اس کے بعد ایک بڑی جماعت نے اس مسئلہ میں ان کی اتباع کی ہے۔ اس ضمن میں علامہ ابن عابدین تحریر کرتے ہیں:

”وَقَدْ اُسْتُهْرَ نَسْبَةُ مَسْأَلَةِ الْخُلُوِّ اِلَى مَذْهَبِ الْاِمَامِ مَالِكٍ وَالْحَالُ اَنَّهٗ لَيْسَ فِيْهِ نَصٌّ عَنْهُ وَلَا عَنْ اَحَدٍ مِنْ اَصْحَابِهٖ حَتَّى قَالَ: الْبَدْرُ الْفَرَاْفِيُّ مِنَ الْمَالِكِيَّةِ: اِنَّهُ لَمْ يَقَعْ فِي كَلَامِ الْفُقَهَاءِ التَّعَرُّضُ؛ لِهٰذِهِ الْمَسْأَلَةِ، وَاِنَّمَا فِيْهَا فُنْيًا لِلْعَلَامَةِ نَاصِرِ الدِّينِ الْاَلْفَايِي الْمَالِكِيِّ بِنَابَا عَلٰى الْعُرْفِ وَخَرَجَهَا عَلَيْهِ، وَبُوَ مِنْ اَهْلِ التَّرْجِيحِ فَيُعْتَبَرُ تَخْرِيجُهُ، وَاِنْ نُوزِعَ فِيْهِ وَقَدْ اُنْتَشَرَتْ فُنْيَاهُ فِي الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ وَتَلَقَّابَا عُلَمَاءُ عَصْرِهِ بِالْقَبُولِ“<sup>18</sup>

(مسئلہ خلو کو عموماً امام مالک کے مذہب کی طرف منسوب کیا جاتا ہے حالانکہ اس بارے میں نہ تو امام مالک کی کوئی نص ہے اور نہ ان کے کسی شاگرد کی۔ حتیٰ کہ علامہ قرانی مالکی نے لکھا ہے کہ فقہاء کے کلام میں اس مسئلہ میں تعرض نہیں کیا گیا ہے۔ البتہ اس مسئلہ میں علامہ ناصر الدین لقانی کا ایک فتویٰ ہے جس کی بنیاد عرف پر ہے انھوں نے عرف کی بناء پر اس مسئلہ کی تخریج کی ہے اور وہ اصحاب ترجیح میں سے ہیں لہذا ان کی تخریج کا اعتبار کیا جائے گا اگرچہ اس بارے میں ان سے اختلاف بھی کیا گیا ہے لیکن ان کا فتویٰ مشرق و مغرب میں مشہور ہو گیا اور علماء عصر نے اس فتویٰ کو قبول کیا۔)

بعض فقہاء احناف نے خلو کے جواز پر فتاویٰ خانیہ کے ایک مسئلہ سے استدلال کیا ہے وہ مسئلہ یہ ہے:

”رَجُلٌ بَاعَ سَكْنَى لَهُ فِي حَائِثٍ لِعَيْتِهِ فَأَخْبَرَ الْمُشْتَرِيَّ أَنَّ اُجْرَةَ الْحَائِثِ كَذَا فَظَهَرَ اَنَّهَا اَكْثَرُ مِنْ ذَلِكَ قَالُوا: لَيْسَ لَهُ اَنْ يَزِدَّ السُّكْنَى بِهَذَا الْعَيْبِ“<sup>19</sup>

(ایک شخص نے دوسرے کی دکان میں اپنا سکنی فروخت کیا اس نے خریدار کو خبر دی کہ دکان کا کرایہ اتنا ہے لیکن بعد میں ظاہر ہوا کہ کرایہ مکان اس سے زیادہ ہے تو خریدار کو اس عیب کی بناء پر بیچ رد کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔)

اس عبارت سے خلو کے جواز پر استدلال کرنے والوں نے یہ سمجھا کہ اس میں سکنی سے مراد خلو (پگڑی) ہی ہے لیکن علامہ شرنبلالی نے وضاحت فرمائی ہے کہ سکنی سے مراد دکان میں اضافہ کی گئی کوئی مادی چیز ہے جو خلو کے علاوہ کوئی اور چیز ہے لہذا اس سے احناف کے ہاں خلو کے جواز پر استدلال کرنا درست نہیں ہے کیونکہ سکنی کی خریداری عین (متعین مادی چیز) کی خریداری ہے نہ کہ خلو کی خریداری ابن عابدین نے فتاویٰ خیر یہ سے نقل کیا ہے کہ اگر کسی مالکی قاضی نے خلو کے لازم ہونے کا فیصلہ کیا تو یہ فیصلہ صحیح اور لازم ہوگا۔

عصر حاضر جو کہ ایک طرف سائنس اور ٹیکنالوجی کی بدولت کامیابی پر نازاں ہے تو دوسری طرف نئے نئے مسائل سے پریشان ہے، اس لیے مذکورہ امر کی وضاحت دو ممکن صورتوں میں کی جاتی ہے تاکہ معاملہ علم الیقین سے بڑھ کر حق الیقین کا درجہ حاصل کر لے۔

### خلو کی صورتیں

فقہائے کرام نے شبانہ روز محنت و اجتہاد سے عصری مسائل کے قابل عمل حل دیے ہیں۔ اس ضمن میں محمد بن عبداللہ الحرشی مختصر خلیل کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:

خلو کی چند معروف صورتیں درج ذیل ہیں:

پہلی صورت: وقف کی جائیداد ویران ہو رہی ہو وقف کا متولی کسی ایسے شخص کو وہ جائیداد کرایہ پر دے دے جو اس کو آباد کر کے اس میں دکان تعمیر کرے پھر یہ دکان تیس درہم کرایہ پر دی جائے جس میں سے پندرہ درہم وقف کے ہوں (پندرہ تعمیر کنندہ کے) اس طرح دکان کی منفعت وقف اور اصل کرایہ دار میں مشترک ہو جائے جو درہم اصل کرایہ دار نے خرچ کیے اس کے بدلے میں جو حق منفعت اس شخص کو حاصل ہوتا ہے اسے خلو کہا جاتا ہے لہذا اس خلو سے تمام تصرفات مثلاً بیع وقف میراث ہبہ وغیرہ متعلق ہوں گے دین وغیرہ کی ادائیگی بھی اس سے کی جاسکتی ہے وقف کے متولی کیلئے اسے دکان سے نکالنا جائز نہ ہوگا اگرچہ عقد اجارہ متعین مدت کیلئے مثلاً نوے سال کیلئے کیا گیا ہو لیکن اس کے جواز کیلئے شرط یہ ہے کہ وقف کے سرمایہ کے ذریعہ اس کی تعمیر نہ کی جاسکتی ہو۔

دوسری صورت: مسجد پر چند دکانیں وقف ہیں مسجد کی تکمیل یا نئی تعمیر کیلئے سرمایہ کی ضرورت پڑی ایک دکان کا ماہانہ کرایہ تیس درہم ہے کوئی اور ذریعہ آمدنی نہیں ہے جس سے مسجد کی تکمیل یا تعمیر نو کی جاسکے۔ لہذا مسجد کی متولی دکانوں کے کرایہ داروں سے خاص مقدار کی رقم مسجد تعمیر کرنے کیلئے ان سے وصول کرے اور ماہانہ کرایہ تیس درہم کی بجائے پندرہ درہم کر دے جس کا حاصل یہ ہے کہ دکان کی منفعت صاحب خلو کرایہ دار اور وقف کے درمیان اس مقدار پر مشترک ہو جائے گی جتنے پر صاحب خلو اور متولی وقف از روئے مصلحت راضی ہو جائیں جیسا کہ الناصر کے فتویٰ سے معلوم ہوتا ہے۔

تیسری صورت: کوئی زمین ہے جسے کوئی شخص وقف کے متولی سے کرایہ پر لے کر اس طور سے اس میں عمارت تعمیر کر دے کہ اس عمارت کا کرایہ ساٹھ درہم ہوگا جس میں سے تیس درہم وقف کو ملیں گے اور مزید تیس درہم کی منفعت عمارت بنانے والے کو حاصل ہوگی اسی کو خلو کہا جاتا ہے 20

اس ضمن میں شیخ محمد احمد علیش نے علامہ ناصر الدین لقانی کا فتویٰ نقل کیا ہے پھر خلو کی مذکورہ صورتیں ذکر کرنے کے بعد انہوں نے خلو کی صحت کی درج ذیل شرطوں پر ایک فصل تحریر کی ہے۔

” مِنْهَا أَنْ تَكُونَ الدَّرَاهِمُ الْمَذْفُوعَةُ عَائِدَةً عَلَى جِهَةِ الْوَقْفِ يَصْرَفُهَا فِي مَصَالِحِهِ فَمَا يَفْعَلُ الْآنَ مِنْ صَرْفِ النَّاطِرِ الدَّرَاهِمَ فِي مَصَالِحِ نَفْسِهِ بِحَيْثُ لَا يَعُودُ عَلَى الْوَقْفِ مِنْهَا شَيْءٌ قَبْوُ عَيْزٍ صَحِيحٍ وَيَرْجِعُ دَافِعُ الدَّرَاهِمِ بِهَا

عَلَى النَّاطِرِ ..... وَفَائِدَةُ الْخُلُوِّ أَنَّهُ يَصِيرُ كَالْمَلِكِ وَيَجْرَى عَلَيْهِ الْبَيْعُ  
وَإِلْجَازَةُ وَالْمَبْهُتَةُ وَالرَّهْبُ وَوَفَاءُ الدِّينِ وَالْإِزْتُ كَمَا يُؤْخَذُ مِنْ فِتْوَى النَّاصِرِ  
الْقَانِي“ 21

(ان میں سے ایک شرط یہ ہے کہ جو دراہم وقف کو ملیں انھیں وقف کے مصالح میں خرچ کیا جائے آج کل یہ جو ہو رہا ہے کہ وقف کا متولی ان دراہم کو اپنے ذاتی مصالح میں خرچ کر لیتا ہے اور وقف کو اس میں سے کچھ نہیں ملتا یہ درست نہیں ہے دراہم دینے والا ان دراہم کو متولی وقف سے واپس لے سکتا ہے۔ ایک شرط یہ ہے کہ وقف کی کوئی ایسی آمدنی نہ ہو جس سے تعمیر کرائی جاسکے اگر وقف کے پاس ایسی آمدنی ہے جس سے اس کی تعمیر ہو سکتی ہے مثلاً سلاطین کے اوقاف ہیں تو پھر اس وقف میں خلو کا معاملہ صحیح نہیں ہوگا اور دراہم دینے والا وقف کے متولی سے وہ دراہم واپس لے لے گا ایک شرط یہ ہے کہ وقف کے منافع کو شرعی طور پر اس کے مصارف میں خرچ کیا جاتا ہو... خلو کا فائدہ یہ ہے کہ وہ ملک کی طرح ہو جاتا ہے اسے بیچنا کرایہ پر دینا ہبہ کرنا رہن رکھنا دین کی ادائیگی کرنا اور میراث جاری ہونا سب صحیح ہوتا ہے جیسا کہ ناصر لقانی کے فتوے سے معلوم ہوتا ہے۔)

چنانچہ فقہائے مالکیہ کی ان مذکورہ عبارتوں سے یہ بات واضح ہو گئی کہ جس خلو کے جواز کا علامہ لقانی نے فتویٰ دیا اور بہت سے فقہاء مالکیہ نے اسے تسلیم کیا اس خلو کا دور حاضر کے مروجہ خلو (پگڑی) سے دور کا بھی تعلق نہیں کیونکہ علامہ لقانی نے جس خلو کو جائز کہا ہے اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ وقف کا کرایہ دار وقف کی زمین میں عمارت تعمیر کرتا ہے اس کی وجہ سے جتنا اس نے خرچ کیا ہے اس کے بقدر دکان کی منفعت میں شریک ہو جاتا ہے لہذا اسی کے بقدر اس کیلئے دکان کا کرایہ کم کر دیا جاتا ہے اور اسے اس دکان میں حق قرار حاصل ہو جاتا ہے اس کرایہ دار نے اگر دوسرے آدمی کے ہاتھ یہ حق قرار بیچا تو یہ حق مجرد کی بیع نہیں ہوئی بلکہ ایسی منفعت کی بیع ہوئی جو دکان میں اضافہ کیے گئے اعیان سے متعلق ہے اور یہ منفعت اس کی ملکیت ہے فقہاء مالکیہ نے تعمیر وقف کی ضرورت کی وجہ سے اس کی اجازت دی ہے اسی واسطے ان حضرات نے یہ شرط لگائی ہے کہ وقف کی کوئی ایسی آمدنی نہ ہو جس سے اس کی تعمیر کی جاسکے اگر آمدنی ہے تو یہ عقد جائز نہیں ہوگا۔

بلاشبہ بعض فقہاء مالکیہ نے ان زمینوں میں بھی جو وقف نہیں بلکہ ذاتی ملکیت ہیں اس طرح کے خلو کو جائز کہا ہے لیکن اس کیلئے یہ شرط لگائی ہے کہ کرایہ دار نے اس میں کوئی عمارت تعمیر کی ہو یا اس میں کوئی دوسرا مستقل اضافہ کیا ہو اسی کو ان کی اصطلاح میں جدک کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ شیخ محمد علیش لکھتے ہیں:

”ثُمَّ إِنَّ الْخُلُوَّ رَبَّمَا يُقَاسُ عَلَيْهِ الْجَدَكُ الْمُنْتَعَارُ فِي حَوَانِيَتِ مِصْرٍ فَإِنَّ  
قَالَ قَائِلُ الْخُلُوِّ إِنَّمَا بُوِيَ فِي الْوَقْفِ لِمَصْلَحَةٍ وَبَدَأَ يَكُونُ فِي الْمَلِكِ قِيلَ لَهُ  
إِذَا صَحَّ فِي وَقْفٍ فَالْمَلِكُ أَوْلَى؛ لِأَنَّ الْمَالِكَ يَفْعَلُ فِي مَلِكِهِ مَا يَشَاءُ نَعْمَ  
بَعْضُ الْجَدَكَاتِ بِنَاءٌ أَوْ إِصْلَاحُ أَحْشَابٍ فِي الْحَائُوتِ مَثَلًا بِأَذْنِ وَبَدَأَ قِيَاسُهُ  
عَلَى الْخُلُوِّ ظَاهِرٌ... وَبَعْضُ الْجَدَكَاتِ وَضَعُ أُمُورٍ مُسْتَقْلَةٍ فِي الْمَكَانِ  
غَيْرِ مُسْتَمِرَّةٍ فِيهِ كَمَا يَقَعُ فِي الْحَمَامَاتِ وَحَوَانِيَتِ الْقَهْوَةِ بِمِصْرٍ فَهَذِهِ بَعِيدَةٌ

عَنْ الْخَلَوَاتِ فَالظَّابِرُ أَنَّ لِلْمَالِكِ إِخْرَاجَهَا“<sup>22</sup>

(پھر بسا اوقات خلو پر مصر کی دکانوں میں متعارف جدک کو قیاس کیا جاتا ہے اگر کوئی آدمی یہ سوال کرے کہ وقف میں تو خلو کی اجازت مصلحت کی بناء پر دی گئی ہے اور جدک ذاتی ملکیت میں ہوتا ہے وقف میں نہیں ہوتا تو اس کا یہ جواب دیا جائے گا کہ جب وقف میں صحیح ہے تو ملک میں بدرجہ اولیٰ صحیح ہو گا اس لیے کہ مالک اپنے ملک میں جو چاہے تصرف کر سکتا ہے ہاں بعض جدک تعمیر کی صورت میں ہوتے ہیں اور بعض مالک کی اجازت سے دکان میں چند لکڑیوں کی مرمت کرانے کی صورت میں ہوتے ہیں ایسے جدک کا خلو پر قیاس کرنا تو ظاہر ہے بعض جدک کی صورت یہ ہوتی ہے کہ گھر میں کچھ مستقل چیزیں بنالی جاتی ہیں جو مستمر نہیں ہوتیں جیسا کہ مصر کے غسل خانوں اور تہوے کی دکانوں میں ہوتا ہے اس طرح کے جدک کا خلو سے کوئی تعلق نہیں ہے ان کے بارے میں ظاہر یہ ہے کہ مالک کو ان کے نکالنے کا اختیار ہوگا۔)

انبحاث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مالکیہ جو کہ عصر حاضر میں مروج پگڑی کے جواز کے قائل نہیں ہیں کہ جس کے ساتھ نہ کوئی تعمیر ہوتی ہے نہ مکان یا دکان میں ثابت و پائیدار اضافے کئے جاتے ہیں یعنی پھر بات وہیں لوٹتی ہے جو شرنبلالی کے حوالے سے بحث کے شروع میں نقل کی گئی تھی کہ محض خلو کی بیع جائز نہیں ہے۔ خلو کی بیع اس وقت جائز ہوگی جب کہ اس کے ساتھ دکان میں کوئی تعمیری یا مستقل اضافہ کر دیا گیا ہو۔ جسے کبھی سکنی کہا جاتا ہے کبھی جدک۔

ملکیت اور وقف میں فرق یہ ہے کہ جو مکان شخصی ملکیت ہو اس کا مالک کبھی اس کو کرایہ پر نہیں دیتا یعنی وہ یہ چاہتا ہے کہ خود اس میں رہائش اختیار کر لے یا اسے فروخت کر دے یا معطل چھوڑ دے لیکن جو مکان وقف کی ملکیت ہے اور کرایہ پر دینے کیلئے بنایا گیا ہے لہذا اس کے بارے میں وقف کے متولی کو کرایہ پر دینے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے چنانچہ اس مکان پر جس شخص کا قبضہ ہے اسی کو اجرت مثل پر کرایہ پر دینا کسی اجنبی شخص کو کرایہ پر دینے سے زیادہ بہتر ہے اس لیے کہ اس میں وقف اور صاحب قبضہ دونوں کی مصلحت کی رعایت ہے

### مروجہ پگڑی کا متبادل

چنانچہ مذکورہ انبحاث سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ عصر حاضر کی پگڑی جو مالک مکان کرایہ دار سے لیتا ہے جائز نہیں ہے اور پگڑی کے نام پر لی جانے والی یہ رقم شریعت کے کسی قاعدے پر منطبق نہیں ہوتی لہذا یہ رقم رشوت ہے اور حرام کے زمرے میں آتی ہے۔

### مولانا تفتی عثمانی کے تجویز کردہ اصلاحی نکات

پگڑی کے مروجہ نظام میں آپ نے مندرجہ ذیل ممکن تبدیلیاں کی ہیں:

(اول) مالک مکان و دکان کیلئے جائز ہے کہ وہ کرایہ دار سے خاص مقدار میں ایک مشت رقم لے لے جسے متعینہ مدت کا پیشگی کرایہ قرار دیا جائے یہ ایک مشت رقم سالانہ یا ماہانہ کرایہ کے علاوہ ہوگی اس یک مشت لی ہوئی رقم پر اجارہ کے سارے احکام جاری ہوں گے اگر اجارہ کسی وجہ سے طے شدہ مدت سے پہلے فسخ ہو جائے تو مالک کے ذمے واجب ہوگا کہ اجارہ کی باقی ماندہ مدت کے مقابل میں ایک مشت رقم کا جتنا حصہ آ رہا ہے اسے واپس کر دے۔

(دوم) اگر اجارہ متعینہ مدت کیلئے ہوا ہے تو کرایہ دار کو اس مدت تک کرایہ داری باقی رکھنے کا حق ہے لہذا اگر کوئی دوسرا شخص یہ چاہے کہ کرایہ دار اپنے حق سے دستبردار ہو جائے اور یہ دوسرا شخص اس کی جگہ کرایہ دار ہو جائے تو پہلے کرایہ دار کیلئے یہ جائز ہے کہ اس سے عوض کا مطالبہ کرے اور پہلے کرایہ دار کا یہ عمل بالعوض حق کرایہ داری سے دستبرداری کا عمل ہوگا اور مال کے بدلے میں وظائف سے دستبرداری پر قیاس کرتے ہوئے جائز ہوگا لیکن اس کے جواز کی شرط یہ ہے کہ اصل کرایہ داری کا معاملہ معینہ مدت کیلئے کیا گیا ہو مثلاً دس سال کیلئے اور دس سال پورے ہونے سے پہلے پہلا کرایہ دار دستبردار ہو رہا ہو۔

(سوم) اگر اجارہ متعین مدت کیلئے ہو تو مالک مکان و دکان کیلئے جائز نہیں کہ شرعی عذر کے بغیر اجارہ کو فسخ کر دے اگر مالک عذر شرعی کے بغیر دوران مدت اجارہ فسخ کرنا چاہے تو کرایہ دار کیلئے جائز ہے کہ اس سے عوض کا مطالبہ کرے اور اس کا یہ اقدام بالعوض اپنے حق سے دستبرداری ہوگی یہ عوض اس کے علاوہ ہوگا جس کا کرایہ دار اپنی یکمشت دی ہوئی رقم میں سے اجارہ کی باقی مدت کے حساب سے حق دار ہوگا۔ مجمع الفقہ الاسلامی نے اپنے چوتھے اجلاس منعقدہ ۱۴۰۸ھ میں یہی فیصلہ کیا ہے۔<sup>23</sup>

چنانچہ پگڑی کے مروجہ نظام میں اگر مفتی تقی عثمانی کی تجویز کردہ آراء پر عمل کیا جائے تو عصر حاضر میں مسائل میں اشکال سے بچ کر اجارہ کے معاملے میں بھی ان اصلاحی نکات پر عمل پیرا ہو کر معاملات کو ان کے منطقی انجام تک بطریق احسن پہنچایا جاسکتا ہے۔

### خلاصہ بحث

حقوق الوضائف کے باب میں بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ان حقوق سے دست برداری دوسرے کے حق میں جمہور کے نزدیک جائز ہے جبکہ معاوضہ لے کر ان حقوق سے دستبرداری منتقدین احناف کے نزدیک جائز نہیں لیکن متاخرین اور عصر حاضر کے علما کے نزدیک جائز ہے۔ البتہ حق خلو کے بارے میں مذکورہ اباحت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فقہاء میں سے مالکیہ مروجہ پگڑی کے جواز کی طرف مائل ہیں لیکن مالکیہ کی ان کتابوں کی طرف مراجعت کے بعد جن کی طرف خلو کا جواز منسوب ہے عموماً ان لوگوں نے جس خلو کے جواز کا فتویٰ دیا ہے وہ ہمارے دور کی مروجہ پگڑی نہیں ہے۔ اس لیے کہ مروجہ پگڑی کی شکل تو یہ ہے کہ پگڑی محض حق کرایہ داری کا نام ہے چاہے مکان یا دکان میں کوئی پائیدار عین زائد موجود ہو یا نہ ہو۔ فقہاء مالکیہ کے ہاں مروجہ پگڑی کا جواز نہیں ملتا بلکہ اس کے خلاف ہی ملتا ہے۔ جس خلو کا عوض لینا مالکیہ نے جائز قرار دیا ہے اس کی دوسری

صورتیں ہیں ان تمام صورتوں میں مستاجر کیلئے مکان یا دکان میں کرایہ دار کیلئے کوئی مستقل اور پائیدار عین ہونا ضروری ہے۔ عصر حاضر میں ان مسائل کی تشریح اسلام کے زریں معاشی اصولوں کی نشان دہی کرتی ہے اس لیے مروجہ تجارتی معاملات میں حق الخلو اور حق الوظائف سے متعلقہ امور کو تعامل عرف کے تناظر میں بخوبی حل کیا جاسکتا ہے۔

## حوالہ جات و حواشی

- 1- عثمانی، مفتی محمد تقی، فقہی مقالات، کراچی: زمزم پبلشرز، 2011ء، ج1، ص 198
- 2- الخطاب الرعینی، محمد بن محمد (954ھ/1547م)، مواہب الجلیل، بیروت: دار الفکر، 1992ء، ج4، ص13  
علامہ خطاب مشہور مالکی عالم ہیں، ان کی پیدائش مکہ مکرمہ میں ہوئی، انکا خاندان دولہ المرابطون سے تعلق رکھتا تھا جس کی شاخیں الجزائر میں آج بھی موجود ہیں، علامہ کا انتقال موجودہ لیبیا کے دار الحکومت طرابلس میں ہوا جہاں ان کی یاد میں مسجد بھی تعمیر کی گئی ہے جس کا نام مسجد خطاب ہے۔
- 3- بغدادی، غانم بن محمد، (1030ھ/1621ء)، مجمع الضمانات، بیروت: دار الکتب الاسلامی، ص453، کشف التناع، ج4، ص194 بغداد کے رہنے والے حنفی عالم تھے۔
- 4- ایضاً، ص453
- 5- علیش، محمد بن احمد (1217ھ/1802م - 1299ھ/1882م) منہج الجلیل شرح مختصر خلیل، بیروت: دار الفکر، ج7، ص52
- 6- رملی، محمد بن ابی العباس احمد (957ھ/1550م) نہایۃ المحتاج الی شرح المنہاج، بیروت: دار الفکر، 1984ء، ج5، ص480  
علامہ رملی فقہ شافعی کے مشہور فقیہ ہیں، مصر کے علاقے رملہ سے ان کا تعلق تھا، قاہرہ میں ان کا انتقال ہوا اور وہیں مدفون ہیں، ان کی مشہور کتاب "فتاویٰ رملی ہے"
- 7- ابن عابدین، محمد امین بن عمر، رد المحتار، (بیروت: دار الفکر، 1992ء) ج4، ص517
- 8- عبدالواحد، مفتی، فہم دین کورس، مسائل بہشتی زیور، کراچی: مجلس نشریات اسلام، ج2، ص248
- 9- زین الدین، ابن نجیم الحنفی، البحر الرائق شرح کنز الدقائق، بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1997ء، ج5، ص432، 453
- 10- ایضاً، 453/5
- 11- ابن سیدہ، علی بن اسماعیل (448ھ/1007م) المخصص، بیروت: دار احیاء التراث العربی، ج3، ص305  
ابو الحسن علی، ابن سیدہ کے نام سے جانے جاتے ہیں، ان کے والد کے نام پر مؤرخوں میں اختلاف پایا جاتا ہے، "کتاب الصلہ" میں ابن بشکوال نے ان کے والد کا نام اسماعیل بتایا ہے جبکہ الفتح بن خاقان نے "مطح الانفس" میں احمد لکھا ہے۔ اندلس کے شہر مرسیہ میں پیدا ہوئے اور اس شہر سے منسوب بھی ہوئے چنانچہ انہیں "المرسی" بھی کہا جاتا ہے۔ ان کی کتاب "المخصص" قابل تحسین زرعی تجربات پر مشتمل ہے۔
- 12- دسوقی، محمد بن احمد (623ھ/676م) حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر، بیروت: دار الفکر، ج3، ص433

- شیخ ابراہیم دسوقی بہت بڑے قطب اور فقہ شافعی کے بڑے علماء میں شمار ہوتے ہیں، دیائے نیل کنارے مصر کے مشہور شہر دسوق میں پیدا ہوئے، علمی کاموں کے ساتھ ساتھ تصوف و سلوک کی منازل بھی طے کیں، ان کی مشہور کتاب "جوہرہ" ہے۔
- 13- عثمانی، مفتی محمد تقی، فقہی مقالات، کراچی: زمزم پبلشرز 2011ء، ج 1، ص 207
- 14- سامی حبیبی، الحقوق المجرده فی الفقہ الاسلامی (جامعہ اردنیہ)، ص 102- سامی حبیبی اردن کے عالم ہیں اور "الحقوق المجرده فی الفقہ الاسلامی" ان کا مقالہ ہے۔
- 15- ایضاً، ص 106
- 16- ابن نجیم، زین الدین بن ابراہیم (م 970ھ/1563) الأشاہ والنظار، بیروت: دارالکتب العلمیہ 1999ء، ص 89
- 17- علیش، محمد بن احمد، (1217ھ/1802م - 1299ھ/1882م) منج الجلیل شرح مختصر خلیل (بیروت: دارالفکر) ج 7 ص 52- محمد بن احمد علیش علماء مالکیہ میں سے ہیں اور طرابلس کے رہنے والے ہیں، قاہرہ میں پیدا ہوئے ازہر میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد مغرب چلے گئے اور وہیں وفات ہوئی۔
- 18- رد المحتار، 521/4
- 19- ایضاً، 521/4
- 20- خرش، محمد بن عبداللہ، (م 1101ھ/1690) شرح مختصر خلیل، بیروت: دارالفکر، ج 7، ص 79
- 21- علیش، محمد بن احمد، فتح العلی الممالک فی الفتوی علی مذہب الامام مالک، بیروت: دارالمعرفہ، ج 2، ص 250
- 22- ایضاً، 252/2
- 23- عثمانی، مفتی محمد تقی، فقہی مقالات، کراچی: زمزم پبلشرز 2011ء، ج 1، ص 218